معاصر معاشرتی مسائل اور اردو تفاسیر: عبد المجید لدھیانوی کی "تبیان الفرقان" کا مطالعہ

(Contemporary Social Issues and Urdu *Tafāsīr*: A Study of *Mawlānā Abdul Majeed Ludhiānvī's "Tibyān al-Furqān"*)

Dr. Khawaja Saif-Ur-Rehman Siddiqui

Subject Specialist Islamic Studies, Workers Welfare Higher Secondary School (boys), Shahdara, Lahore

Muhammad Akram Hureri

Doctoral candidate Islamic Studies, AIOU Islamabad, Ex–Research Associate at University of Malaya, Malaysia

Abdur Rehman

Lecturer Islamic Studies Riphah International University, Islamabad

Abstract

This article studies the interpretive efforts of *Mawlānā Abdul Majeed Ludhiānvī* (1934-2015), a Pakistani Islamic scholar and commentator of the Quran, regarding some important contemporary social issues like friendship with non-Muslims, the need for marriage, sitting in assemblies of the opponents of Islam, killing of children in the pre-Islamic era and the contemporary theory of family planning. The study finds that *Ludhiānvī* in his "*Tibyān al-Furqān*" has presented the solution of these problems in a very beautiful and comprehensive way.

Keywords: *Tafsīr*, *Ludhiānvī*, social issues

تمہید

اہلِ اسلام کے عمومی دعوے کے مطابق قرآن مجید قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے اور اس کتاب میں قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے

جدید معاشرتی مسائل پیش آتے رہتے ہیں جن کا حل قرآن مجید کی روشنی میں تلاش کیا جاتا ہے۔ مختلف مفسرین نے اپنے اپنے انداز میں ان مسائل کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان مفسرین میں دور حاضر کے ایک مفسر مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ[1]، بھی ہیں، جنھوں نے اپنی تفسیر تبیان الفرقان میں جدید معاشرتی مسائل کا حل نہایت ہی احسن انداز میں تفصیلاً پیش کیا ہے۔ آسان اور عام فہم زبان استعمال کرکے عام آدمی کے لیے بھی تفسیر میں موجود جدید معاشرتی مسائل کے مطالعے کو آسان بنا دیا ہے۔ اس مقالے میں دور حاضر کے چند اہم معاشرتی مسائل کے حل سے متعلق مولانا لدھیانوی کی تفسیری کاوشوں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

کافروں سے دوستی اور اس کا حکم

غیر مسلموں سے دوستی کے معاملے میں اہلِ اسلام کو کیا رویہ اپنانا چاہیے؟ عصرِ حاضر میں یہ سوال اکثر سامنے آتا۔ صاحب تبیان الفرقان نے آل عمران آیت: "لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ".[2] کے تحت کفار کے ساتھ دوستی سے متعلق رہنمائی دینے کی کوشش کی ہے۔ لکھا ہے کہ ان سے دوستی کی چار صورتیں ہیں: 1۔ موالات 2۔ مواسات۔ 3۔ مدارات۔ 4۔ مداہنت۔ پھر ان کی وضاحت یوں کی ہے: موالات: دل سے کسی کو دوست بنانا، محبت رکھنا اور اپنا حمایتی سمجھنا۔ مواسات: دکھ تکلیف کے وقت کسی سے خیر خواہی کرنا، مدد کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا اور ننگے کو کپڑے پہنانا وغیرہ۔ مدارات: ظاہری طور پر خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ مداہنت: دین میں نرمی اختیار کرنا، اپنے دنیوی فائدے کے لیے حق کو چھپانا۔ اس کے بعد ان چاروں کا حکم بیان کیا ہے کہ موالات کافر، فاسق، اور بدعتی کے ساتھ جائز نہیں، کیونکہ محبت دوسرے کی عظمت کو چاہتی ہے، مسلمان کے دل میں کافر، فاسق اور بدعتی کی عظمت نہیں ہونی چاہیے۔ مواسات کافروں کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے لیکن حربی کافروں کے ساتھ نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ باقی کافروں، فاسقوں اور بدعتیوں کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مدارات بھی کافر کے ساتھ ہو سکتی ہے، بدعتی اور فاسق

---

[1] مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ 5 جون 1934ء تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے، آپ نے جامعہ قاسم العلوم ملتان سے 1956ء میں درس نظامی کی سند حاصل کی۔ تدریس کا آغاز 1956ء میں کیا، 1957ء تا 1972ء دارالعلوم کبیر والہ میں تدریس کی۔ 1972ء تا دم آخر یعنی 2015ء تک باب العلوم کہروڑ پکا میں تدریس کرتے رہے۔ 1975 تا 2015ء بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ آپ کو علما نے حکیم العصر کے لقب سے نوازا۔ آپ 2010ء تا 2015ء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی امیر کے عہدے پر فائز رہے اور 36 سال وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے۔ یکم فروری 2015ء کو ملتان میں وفاق المدارس کے اجلاس کا صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کے بعد صدارت کی کرسی پر تشریف لے گئے اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہیں کرسی پر ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

[2] آل عمران: 3: 28۔

کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے، اور اگر ظاہری نقصان کا اندیشہ ہو تو پھر ان سے دوستی کا اظہار کرنے اور خوش اخلاقی سے پیش آنے میں کوئی حرج نہیں۔ مداہنت حرام ہے، چاہے مسلمان کے ساتھ ہو یا کافر کے ساتھ۔ تو کفار کو دلی دوست بنانا جائز نہیں ہاں البتہ نقصان سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر ان سے دوستی کا اظہار کرنے کی گنجائش ہے۔[3] معلوم ہوا کافروں سے دلی دوستی رکھنا نا جائز ہے، باقی مواسات اور مدارات ان کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ البتہ مداہنت بالکل جائز نہیں، ہاں نقصان سے بچنے کے لیے کافر، فاسق اور بدعتی سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

نکاح کرنا افضل ہے یا ترک نکاح

آیت فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ.[4] کے تحت صاحب تبیان الفرقان نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ نکاح کرنا افضل ہے یا ترک نکاح افضل ہے۔ لکھا ہے کہ ہمارے ہاں نکاح کرنا افضل ہے، عام طور پر علماء حضرت یحیؑ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انھوں نے شادی نہیں کی، تو ان کے شادی نہ کرنے سے ترک نکاح کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت یحیؑ کے نکاح نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے حالات ایسے تھے کہ ان پر ہر وقت رقت طاری رہتی تھی۔ دنیا کی کسی چیز کی طرف ان کی رغبت نہیں تھی۔ تو ایسے حالات میں عورت کے ساتھ جتنے معاملات ہوتے ہیں ان کو نبھانا انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ آج ہماری شریعت میں بھی مسئلہ اسی طرح ہے کہ اگر کسی کے حالات ایسے ہوں کہ اس کی بیوی کی طرف توجہ نہ ہو یا اس کو ڈر ہو کہ وہ حقوق ادا نہیں کر سکے گا تو نکاح کرنا جائز نہیں۔[5] ہماری شریعت میں نکاح کرنا افضل ہے۔ یعنی جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے تو اس کے لیے نکاح کرنا افضل ہے۔ باقی اگر کچھ لوگ حضرت یحیؑ کی مثال دے کر ترک نکاح کو افضل قرار دیتے ہیں۔ تو ان کی دلیل کمزور ہے، ہماری شریعت شریعت محمدیہ ﷺ ہے۔ ہم حضرت یحیؑ کی شریعت پر عمل کرنے کے پابند نہیں۔ ہم شریعت محمدیہ ﷺ کی اتباع کے پابند ہیں اور آپ ﷺ کی شریعت میں نکاح کرنا افضل ہے۔

کفار کی مجلس میں بیٹھنے کی صورتیں اور حکم

النساء آیت 140 کے تحت مولانا لدھیانوی نے لکھا ہے جس مجلس میں اللہ کے احکام کا انکار کیا جا رہا ہو، آیات کا استہزاء کیا جا رہا ہو، دین کی باتوں کا انکار کیا جا رہا ہو یا دین پر باتیں بنائی جا رہی ہوں، ایسی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں۔ ایسی مجلس میں اگر قلبی رضا کے ساتھ بیٹھے گا تو واقعتاً کافر ہو جائے گا، کیونکہ رضا بالکفر کفر ہے، چونکہ خوشی سے ان کی باتیں سننا اور دلچسپی لینا ہے تو ایسی صورت میں یہ بھی کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر دل میں کراہت کرتے ہوئے مجلس میں بیٹھا رہا اور

---

[3] عبدالمجید لدھیانوی، تبیان الفرقان (کہروڑ پکا: مکتبہ شیخ لدھیانوی، 1433ھ)، 2: 75-77۔

[4] آل عمران: 3 : 39۔

[5] لدھیانوی، تبیان الفرقان، 2: 91۔

بیٹھنا اپنے اختیار میں ہے تو یہ فسق ہے، یہ بھی اس لعنت میں گرفتار ہو گا جو کفروں پر ان باتوں کی وجہ سے پڑے گی۔ اگر کسی مجبوری کی بنا پر ان کی مجلس میں گیا اور زبان کے ساتھ انکار بھی نہیں کر سکتا اور دل میں انتہائی نفرت ہے، حالات ایسے ہوگئے کہ اٹھ کر جا بھی نہیں سکتا تو یہ معذور ہے اس پر گناہ نہیں۔ اس کے علاوہ ایک صورت جواز کی یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ان کی مجلس میں اس نیت سے جاتا ہے کہ باتیں سن کر ان کا جواب دوں گا، ان کے اشکالات کو دور کروں گا، تبلیغ کی نیت سے چونکہ گیا ہے اس لیے ایسے شخص کا جانا باعث ثواب ہے۔ ایسے لوگ جن سے ہمارا نظریاتی اختلاف ہے ان کی مجالس میں بھی جانا ناجائز ہے جیسے شیعہ، رافضی، مرزائی وغیرہ، چونکہ وہ اپنی تقاریر میں ایسی باتیں کرتے ہیں، جن کو ہم دین کے خلاف سمجھتے ہیں، ان کی بعض باتیں قرآن کی تحریف کا مصداق ہوتی ہیں اور اسی طرح بعض مجالس میں صحابہ کرامؓ جیسی مقدس شخصیات پر تبرا کیا جاتا ہے، ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے، یا قرآن کی تفسیر اس انداز سے کی جاتی ہے جو ہمارے خیال میں صحیح نہیں۔ چاہے وہ اپنے اعتبار سے صحیح کہہ رہے ہوں، لیکن چونکہ ہماری تحقیق کے مطابق یہ ساری مجالس ایسی ہیں جن میں اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے اور دین کا مذاق اڑایا جارہا ہے، ایسی مجلسوں اور جلوسوں میں جانا حرام ہے۔ چونکہ ایسی مجالس میں تبلیغ کی نیت سے بھی نہیں جا سکتے، ان کے ساتھ بحث و مباحثہ بھی نہیں کر سکتے، خاموش بیٹھ کر سننا پڑے گا، اگر ان کی مجلس میں شور مچایا کہ یہ کیا بات ہو رہی ہے تو فساد کا خطرہ ہے اور خاموشی سے سنتا رہے گا تو گناہ میں شریک ہو گا، لہٰذا ایسی مجالس میں جانا حرام ہے۔[6] ہر وہ مجلس جس میں اللہ کے دین کا استہزا کیا جارہا ہو یا اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہو یا احادیث کا انکار کیا جارہا ہو یا صحابہ کرامؓ پر تبرا اور ان کی گستاخی کی جارہی ہو یا دین اسلام کے کسی شعار کا مذاق اڑایا جارہا ہو اس مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں، دل کی خوشی سے بیٹھا ہے تو کفر ہے، اور اگر اپنے اختیار سے ایسی مجلس میں بیٹھا ہے اور دل میں ان کی باتوں کو برا بھی سمجھتا ہے تو یہ فسق ہے۔ اگر کسی کام کی مجبوری کی وجہ سے اس مجلس میں چلا گیا اور باہر نکلنا بھی اپنے اختیار میں نہیں اور دل میں برا بھی سمجھ رہا ہے تو یہ معذور ہے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر ان کے اشکالات دور کرنے اور تبلیغ کرنے کی نیت سے گیا تو یہ ثواب ہے۔ اسی طرح ایسے لوگ جو دین سے بیزار ہیں ان کا لٹریچر بھی عام آدمی کو نہیں پڑھنا چاہیے۔ اگر دین کا علم رکھنے والا ہے یعنی عالم ہے، تبلیغ کی نیت سے یا ان کے اشکالات واعتراضات دور کرنے کی نیت سے پڑھنا جائز ہے۔

دور جاہلیت میں قتل اولاد اور معاصر نظریہ خاندانی منصوبہ بندی

قلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ.[7] کے تحت مفسر نے دور جاہلیت میں قتل اولاد کے مختلف

---

[6] لدھیانوی، تبیان الفرقان، 2: 572-574۔

[7] الانعام 6: 151۔

نظریات اور اسلام میں اس کی ممانعت کا تذکرہ کیا ہے کہ مشرکین میں قتل اولاد مختلف طریقوں سے مروج تھا: 1۔اپنی اولاد کی نذر مانتے کہ اگر ہمارا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بت کے سامنے اپنا بچہ ذبح کر دیں گے۔2۔لڑکی کو وہمی فرضی غیرت کی بناپر قتل کرنے کا رواج تھا کہ ہماری لڑکی کسی کے پاس جائے اور وہ ہمارا داماد بنے یہ برداشت نہیں کرتے تھے،اسی بناپر وہ بچی کو قتل کر دیتے۔اسی کا ذکر قرآن کی بہت ساری آیات میں آیا ہے۔3۔قتل اولاد کی تیسری وجہ تنگ دستی تھی چونکہ اپنے گزارے کے لیے کچھ ہوتا نہیں تھا،ترقی یافتہ دور بھی نہیں تھا کہ پیدا ہونے سے قبل ہی تدبیر اختیار کر لیتے کہ پیدا ہی نہ ہو،برتھ کنٹرول کرلیں۔کوئی گولیاں کھالیں۔ظالمانہ طریقہ رائج تھا کہ بچے پیدا ہو جاتے پھر ان کا گلہ دبا دیا جاتا،وہ یہ سمجھتے تھے کہ بچے پیدا ہو گئے تو شاید ان کی روزی بھی ہمارے ذمہ ہے،حالانکہ قرآن نے اس کی تردید کی ہے۔جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔تمہارا کام صرف اپنی صلاحیت کے مطابق ان کی خدمت کرنا ہے۔اس لیے یہاں یہ بات ذکر کی '' نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ '' ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔ایک آیت میں '' وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ''[8] آیا ہے۔مطلب آدمی یہ سوچتا ہے کہ اگر خاندان بڑھ گیا تو پھر ہم تنگ دست ہو جائیں گے،اگر بچے نہ ہوں تو ہمارے پاس اتنا ذریعہ ہے کہ ہم اس پر گزارہ کر سکتے ہیں،بچے پیدا ہونے کی صورت میں ہم ان کو نہیں کھلا سکیں گے،تو مفلس ہونے کا اندیشہ ہوتا۔اللہ نے فرمایا" نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ''کہ ہم انہیں بھی اور تمھیں بھی رزق دیتے ہیں،تو یہ بچوں کو قتل کرنے کا انفرادی جرم تھا جو کہ خاندان کا سربراہ سوچتا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں قتل اولاد کا انفرادی نظریہ تھا اب قومی اور ملکی سطح کا نظریہ بن چکا ہے،اب حکومت وقت یہ کہتی ہے کہ ہمارے پاس اتنی پیداوار ہے اور اس وقت اتنی آبادی ہے۔بڑی مشکل سے گزارہ ہوتا ہے،اگر آبادی بڑھ گئی تو ملک میں قحط پڑ جائے گا،پھر ترقی یافتہ دور میں جدید طریقہ کے ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے بچوں کی پیدائش کو روکا جارہا ہے،یہ اللہ کی قدرت پر عدم اعتماد ہے۔اللہ کی ذمہ داری کو اپنے اوپر لینے والی بات ہے۔حکومت رزق کو اپنے سر لے کر قدرت کے ساتھ مزاحمت کرتی ہے۔اس قسم کے منصوبے بناتی ہے کہ اس سال اتنی گندم پیدا ہوگی،اتنے بچے پیدا ہوں گے۔اس سے زیادہ پیدا ہو گئے تو یہ توازن بگڑ جائے گا۔حالانکہ یہ دونوں باتیں ان کے بس میں نہیں۔گندم کی اتنی پیداوار ہو گی یہ قبل از وقت منصوبہ بندی ہے،اللہ کی قدرت کے ساتھ ٹکراؤ ہے۔ہو سکتا ہے اتنی پیداوار نہ ہو،موسم سازگار نہ ہو،ژالہ باری ہو جائے،فصل کو نقصان ہو جائے،اصل بات یہ ہے کہ کوشش کرو اور پھر اللہ سے اچھی امید رکھو۔اور یہ تجویز کہ اتنے بچے پیدا ہونے چاہیے اگر اس سے زیادہ ہو گئے اور گندم کی پیداوار کم ہوئی تو پریشانی ہوگی۔یہ چیزیں انسان کے بس میں نہیں۔انسان کا اس انداز سے سوچنا اللہ کی رزاقیت پر عدم اعتماد ہے،اور مشرکانہ نظریہ ہے۔

آج اگر دنیا کی آبادی بڑھتی ہوئی نظر آرہی ہے تو اس کے مقابلے میں رزق کے وسائل بھی بڑھ رہے ہیں۔پہلے لوگ صرف لکڑی جلاتے تھے،پھر اللہ نے پہاڑی کوئلہ دیا،پھر مٹی کا تیل،پھر گیس دے دی،پھر بجلی دے دی۔جیسے جیسے

---

[8] الاسراء17: 31۔

ضرورتیں بڑھتی جارہی ہیں ویسے اللہ کی طرف سے نئی نئی چیزیں آتی جارہی ہیں۔اس طرح پہلے کتنی زمین آباد تھی اور اب کتنی ہو گئی، ابھی کتنی غیر آباد پڑی ہے، اگر اس کو آباد کر لیا جائے تو غلہ میں اور فراوانی ہو جائے گی۔پہلے جتنی پیداوار ہوتی تھی اب جدید طریقوں کی وجہ سے چار گنا، پانچ گنا پیداوار بڑھ گئی ہے، یہ اللہ کی حکمت ہے،اس لیے اس نظریہ کے تحت خاندانی منصوبہ بندی کو اپنانا باطنی طور پر مشرکین والا جذبہ ہے۔

''مِنْ إِمْلَاقٍ ''میں اپنی روزی کی فکر ہے اس لیے اللہ نے فرمایا''نَرْزُقُهُمْ ''اور ''خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ''میں بچوں کی روٹی کی فکر، تو اللہ نے فرمایا'' نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ''[9] تو ان الفاظ میں یہی حکمت ہے۔[10] صاحب تبیان الفرقان نے زمانہ جاہلیت میں قتل اولاد کی جو وجوہات تھیں ان کا تذکرہ کیا، ان میں سے ایک وجہ مفلسی کا خدشہ بھی تھا اس وجہ سے وہ اپنی اولاد کا قتل کرتے تھے،اس وقت یہ انفرادی نظریہ تھا،اب جدید دور میں یہ قومی اور ملکی سوچ بن گئی ہے، کہ اگر آبادی بڑھ گئی تو وسائل کم ہونے کی بنا پر ملک میں قحط پڑ جائے گا،آبادی کو بڑھنے سے روکنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی ضروری ہے۔یہ بھی قتل اولاد ہے اور مشرکین کے نظریہ کی پیروی ہے، حالانکہ اللہ نے رزق کا وعدہ کیا ہے تو گویا اللہ کی قدرت سے ٹکرانا ہے۔حالانکہ پہلے آبادی کم تھی تو وسائل اس کے مطابق تھے اب آبادی بڑھ رہی ہے تو وسائل بھی اس کے مطابق بڑھ رہے ہیں۔پہلے زمین کی پیدوار جتنی تھی آج اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔آبادی کو کنٹرول کرنے کی بجائے وسائل کو بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے۔منصوبہ بندی اس طریقے پر ہو کہ بچوں کی اچھی تربیت ہو سکے تو اس کے لیے وقفہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں،اور اس کا بہترین طریقہ جو اللہ نے بتایا ہے وہ اختیار کیا جائے تو وقفہ بھی ہو جائے گا اور بچہ کی نشوونما بھی صحیح ہو جائے گی اور وہ طریقہ یہ ہے کہ '' وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ''[11] جب دو سال دودھ پلائیں گی تو قدرتی وقفہ ہو جائے گا۔روزی کی تنگی یا مفلسی کے ڈر کی وجہ سے بچوں کی پیدائش روکنے کی کوشش کرنا مشرکانہ نظریہ اور قتل اولاد ہے جو کہ ناجائز ہے۔

عصرِ حاضر میں لباس سے متعلق طرزِ عمل

'يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ۔يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ۔[12] کے تحت صاحب تبیان الفرقان نے درج ذیل آیت مبارکہ کے تحت لباس کی اہمیت اور زمانہ جاہلیت میں

---

[9] الاِسراء17: 31۔

[10] لدھیانوی، تبیان الفرقان ج3، ص516۔520۔

[11] البقرۃ:2:233۔

[12] الاعراف:7: 27،26۔

اس کے متعلق مشرکین کا طرز عمل اور دور جدید میں لوگوں کے طرز عمل کو بیان کیا اور اس کے ساتھ مشروع لباس کا بھی تذکرہ کیا۔ مشرکین کعبۃ اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے اور جب انہیں لباس کا کہا جاتا تو وہ جواب دیتے کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے آئے ہیں اور یہ اللہ کا حکم ہے۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کا قصہ سنا کر ان کو کہا یہ تو وہی شیطانی حرکت ہے جس طرح سے اس نے تمہارے آباء کا لباس اتروادیا تھا۔ اس نے وہاں بہکا کر اتروادیا تھا اور یہاں وسوسے ڈال کر تمہارا لباس اتروادیا۔ حضرت آدم اس کے باوجود فطرت سلیمہ پر تھے، جب ان کا لباس اترا تو انہوں نے اپنے آپ کو پتوں کے ساتھ ڈھانپنے کی کوشش کی۔ اور تم شیطان کے چکر میں آکر خود لباس اتارتے ہو اور پھر اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ پچھلی تاریخ دہرا کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بھی شیطان کا چکمہ ہے۔ اس زمانہ میں تو لوگ پڑھے لکھے نہ تھے اس لیے وہ کپڑے اتار کر طواف کرتے۔ آج شیطان نے اس کو فیشن بنا دیا۔ بڑے بڑے شہروں میں جو لوگ اپنے آپ کو مہذب قرار دیتے ہیں اور ترقی یافتہ کہلاتے ہیں وہاں عورتیں بالکل عریاں ہیں، جب وہ عورتیں تفریح پر نکلتی ہیں تو ایک سینہ بند معمولی سا اور نکر اور باقی سارا جسم ننگا ہوتا ہے۔ یورپ تو دور کی بات لاہور اور کراچی میں بھی ایسے نقشے موجود ہیں۔ عورت کو ننگا کرنے سے سارے بے حیائی کے دروازے کھلتے ہیں، اگر لباس پہنتے ہیں تو لباس بھی ایسا پہنوایا کہ اس کے ساتھ سارے بے حیائی کے دروازے کھلتے ہیں، بدن اندر سے جھلک رہا ہے، اصل رنگ براہ راست نظر آتا ہے۔ ایسا لباس جس میں سارا بدن نظر آرہا ہو پہننا اور نہ پہننا برابر ہے، لیکن اس کا پہننا فیشن بن گیا ہے، بڑے ہونے کی نشانی بن گئی، سر ننگا، سینہ ننگا، بازو ننگے، ٹانگیں ننگی ہو گئیں۔ بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں بالکل ننگے ہو کر پھرنا بھی تہذیب ہے اور وہ کہتے ہیں ننگے بدن پھرنا صحت کے لیے مفید ہے۔ شرعی مقدار کے علاوہ جو بھی لباس پہنا جائے، جس میں بدن کے اس حصہ کو ننگا کیا جائے جس کو ننگا کرنے کی اجازت نہیں، عورت اور مرد کے لیے احکام واضح ہیں۔ عورت اگر باہر نکلے تو اس کا سارا بدن مستور ہونا چاہیے، بالکل ننگا ہو یا باریک کپڑا پہنا ہوا ہو جس میں سے جسم نظر آرہا ہو تو ایک ہی بات ہے۔ ایسے ہی اتنا تنگ لباس پہننا کہ اس میں جسم کا ہر عضو علیحدہ علیحدہ نظر آئے اور اس کی موٹائی، چوڑائی بالکل واضح نظر آئے، عورت کے لیے اتنا ٹائٹ لباس پورے بدن کے لیے ناجائز، اور مرد کے لیے اعضاء مخصوصہ پر اتنا ٹائٹ لباس ناجائز، اس لیے اتنی تنگ پینٹ پہننا جس کے ساتھ سب کچھ آگے پیچھے سے نظر آئے ممنوع لباس ہے۔ عورت کے لیے گھر میں سر ننگا رکھنا بازو ننگے رکھنا اور گھٹنے سے نیچے کا حصہ ننگا رکھنا کام کاج کی وجہ سے باپ، بھائی اور دیگر غیر محرم کے سامنے جائز ہے۔ لباس ایسا پہننا چاہیے جو شریعت کے احکام کے مطابق ہو، بدن بھی ڈھکا ہوا ہو اور زیب وزینت بھی ہو رہی ہو، لباس سے انسان کے نظریات کی ترجمانی ہو رہی ہوتی ہے۔ زیب وزینت کا مطلب یہ نہیں کہ مرد قیمتی سے قیمتی لباس عورتوں جیسا پہن لے، اس زیب وزینت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ حرام ہے۔ بلکہ ایسا لباس جس سے انسان کی نوع ہی خلط ملط ہو جائے حرام ہے۔ چاہے بدن ڈھکا ہوا ہو۔ لیکن چونکہ نوع کا پتہ نہیں چل رہا، اس طرح عورت کے لیے مرد کا لباس ممنوع ہے۔ چونکہ پہچان بھی مشکل ہو جائیگی کہ مرد ہے یا عورت۔ حدیث پاک میں ایسے مرد اور عورت پر

لعنت کی گئی ہے۔ وہ عورتیں جو ایسے لباس اور ہیئت اختیار کرتی ہیں جو مردوں کی ہے اور ایسے مرد جو عورتوں کا لباس اور ہیئت اختیار کرتے ہیں ان پر حضور ﷺ نے لعنت کی ہے: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ،وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ"[13] آج کل تو یہ فیشن بن گیا ہے اور یہ سب اللہ کی لعنت کا باعث ہے۔

ایسا لباس جو کفار و فساق کا شعار ہے اگر اس کو پہنا جائے اور دیکھنے والے کو پتا نہ چل سکے کہ مسلم ہے یا عیسائی۔ تو اللہ کے ہاں بھی اسی جماعت میں شمار ہوگا۔ چونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے۔ "عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ».[14] مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ کی وجہ سے جس قوم کا لباس بھی پہنے گا انھیں میں شمار ہوگا۔ چاہے کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، باطنی نیکی اپنی جگہ پر رہی مگر فاسقین کا لباس پہننے کی وجہ سے اللہ کے ہاں فاسق ہو جائے گا۔ اس لیے جس جماعت سے آدمی کا تعلق ہے ویسا لباس پہننا چاہیے تاکہ دور سے پتہ چلے کہ فلاں جماعت کا آدمی ہے، یہ کالج کا طلب علم ہے یا مدرسہ کا یا فساق و فجار میں سے ہے۔ شریعت کی پابندی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خوبصورت اور صاف ستھرا لباس پہننا چاہیے۔ ایسا لباس پہننا جس کا دین و دنیا میں کوئی فائدہ نہیں ممنوع ہے: نبی ﷺ کا ارشاد ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا أَسْفَلَ مِنَ الكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَفِي النَّارِ۔[15] جس کی چادر ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی ہو اللہ اس کی طرف دیکھتا ہی نہیں ہے ایسے شخص کو متکبر قرار دیا گیا ہے۔ چادر نیچے لٹکانے والا یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں بڑا باعزت لگ رہا ہوں، حالانکہ اس میں دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہیں محض دماغی جنون ہے۔ ایک آدمی مردوں کے اچھے کپڑے ہونے کے باوجود ریشم کا لباس پہنتا ہے اور حرام کا ارتکاب کرتا ہے اور سکون محسوس کرتا ہے۔ اس میں اس کا دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہیں محض جنون ہے۔ اس طرح کوئی مرد سونا پہنتا ہے تو یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جس میں صرف انسانی جنون ہے۔ لباس میں ایک طرف نبی ﷺ اور علماء کا طریقہ ہے اور دوسری طرف فساق و فجار کا طریقہ ہے۔ لباس وہ درست ہے جس سے دو فائدے حاصل ہوں: '' يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا"[16] ہم نے تمھارے لیے لباس اتارا جس میں دو فائدے اور مقاصد ہیں 1۔ بدن کو چھپاتا ہے، اس کو چھپانے میں حیا کی رعایت بھی ہے اور گرمی اور سردی کی بھی۔ 2۔ '' وَرِيشًا '' زینت کے لیے تاکہ شخصیت اجاگر ہو۔ '' وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ''[17] جس طرح لباس

---

[13] ابو داود سلیمان بن الاشعث سجستانی، ، سنن ابی داؤد (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، س ن)، رقم الحدیث: 4098۔

[14] ابو داؤد، ، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4031۔

[15] ابو عبداللہ محمد بن إسماعیل البخاری، صحیح البخاری (دمشق: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، رقم الحدیث: 5787۔

[16] الاعراف 7: 26،27۔

[17] الاعراف 7: 26،27

ہمارے ظاہری عیوب کو چھپاتا ہے،اسی طرح تقویٰ کا لباس باطنی خامیوں کو چھپاتا ہے۔لباس میں غیر کے ساتھ تشبیہ نہ ہو،ریشم نہ پہنے،سونا نہ پہنے۔مرد ایسا لباس نہ پہنیں جو عورتوں کے مشابہ ہو اور نہ ہی عورتیں مردوں کے مشابہ لباس پہنیں۔تو یہ تقویٰ کا لباس ہے۔اگر ان قواعد کی رعایت نہیں رکھی جائے گی تو تقویٰ کا لباس نہیں ہو گا۔[18] صاحب تبیان الفرقان نے لباس کی حدود قیود ذکر فرمائیں۔شرعی مقدار کے علاوہ جو بھی لباس اختیار کیا جائے گا وہ ناجائز ہے۔عورت کا سارا بدن ستر ہے اس لیے جب بھی گھر سے باہر نکلے گی سارا جسم چھپائے گی۔اور ایسا لباس بھی نہیں پہنے گی جو باریک ہو ،جس سے جسم نظر آئے اور تنگ لباس بھی ممنوع ہے کہ جس سے جسم کی ساخت نظر آئے۔البتہ محرم کے سامنے گھر میں ہاتھ ،بازو۔ٹخنوں سے نچلا حصہ اور سر کو ننگا رکھنا کام کی وجہ سے جائز ہے۔آج کل فیشن کے نام سے لباس کو اتار دیا گیا ۔بڑے شہروں میں عورتیں نیم برہنہ پھرتی ہیں ،جس کی وجہ سے معاشرے میں بدکاری کے رجحانات بڑھ رہے ہیں۔یا پھر ایسا باریک لباس یا تنگ لباس پہن لر پھرتی ہیں کہ جو نہ ہونے کے برابر ہے۔عورتیں مردوں کا لباس اور مرد عورتوں کا لباس پہن رہے ہیں ،ایسے لوگوں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے۔ایسا لباس بھی ممنوع جو کسی کافر و فاسق قوم کا شعار ہے۔مرد کے لیے اعضاء مخصوصہ کو چھپانا لازم ہے۔آج کل مرد اور عورت دونوں کا لباس مختصر اور ٹائٹ ہو گیا ہے،جس میں سے اعضاء علیحدہ علیحدہ نظر آتے ہیں جو کہ ناجائز ہے۔مرد کے لیے وہی لباس جائز ہے جس میں اس کے اعضاء مخصوصہ نظر نہ آئیں ،ایسا لباس جس میں ان کی ساخت نظر آئے درست نہیں۔پینٹ کی اجازت ہے مگر اتنی ٹائٹ نہ ہو کہ اعضاء مخصوصہ واضح نظر آئیں۔شریعت نے ہر وہ لباس پہننے کی اجازت دی ہے جو موسم اور علاقے کی آب و ہوا کے مطابق ہو مگر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے۔کہ مرد مرد والا لباس پہنے اور عورت عورت والا لباس پہنے اور اپنا پورا جسم ڈھانپ کر رکھے۔تو ایسے لباس سے دونوں مقاصد ستر اور خوبصورتی دونوں پورے ہو جائیں گے۔نماز اور نماز کے علاوہ تمام حالات میں کپڑے پہننا فرض ہیں۔ننگے بدن نماز نہیں ہو گی۔مرد کے لیے ناف سے کر گھٹنوں تک جسم چھپانا عام حالات اور نماز دونوں میں فرض ہے۔اگر کوئی شخص اتنا بدن ڈھانپ کر نماز پڑھتا ہے تو فرض ادا ہو جائے گا مگر چونکہ آگے زیب و زینت اختیار کرنے کا حکم بھی ہے تو جتنے اسباب مہیا ہوں اتنی زیب و زینت اختیار کرنی چاہیے۔زیب زینت کا معیار کیا ہے ؟ دنیا کی معزز مجلسوں میں جانے کے لیے جو ہیئت اختیار کی جاتی ہے وہی معیار ہے۔صرف ستر ڈھانپنے سے نماز کی فرضیت ادا ہو جائے گی مگر مکروہ ہے۔اسی طرح تنکوں کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے،چونکہ کوئی شخص ایسی ٹوپی پہن کر معزز مجالس میں نہیں جاتا۔ہاں اگر ایک آدمی کے سر پر پھٹی ہوئی ٹوپی ہے اور اسی کو ہر جگہ پہنا پھر رہا ہے تو اس آدمی کی نماز اس ٹوپی میں مکروہ نہیں۔گرمی کے موسم میں آج کل لوگوں کی عادت ہے کہ وہ صرف بنیان پہن کر نماز پڑھتے ہیں تو یہ مکروہ ہے۔چونکہ وہ اسی بنیان میں کسی معزز مجلس میں جانا

---

[18] لدھیانوی، تبیان الفرقان،4: 87-94۔

پسند نہیں کرتے، چاہے کتنی گرمی کیوں نہ ہو۔[19] صاحب تبیان الفرقان نے اس آیت کے تحت نماز کی ادئیگی کے وقت زیب وزینت اختیار کرنے کے مسئلہ کو ذکر کیا۔ اتنا لباس پہننا فرض ہے کہ جس سے ستر چھپ جائے۔ لیکن نماز میں زیب وزینت بھی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ جب تک وہ اختیار نہیں کی جائیگی نماز مکروہ ہوگی۔ ہر وہ لباس جو معزز مجلس میں پہن کر جانے کو آدمی پسند نہیں کرتا اس میں نماز مکروہ ہے۔ جیسے آج کل مساجد میں تنکوں، پلاسٹک اور کپڑے کی ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں ان کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ صرف بنیان اور شلوار کے ساتھ یا بنیان اور نکر کے ساتھ نماز مکروہ ہے چونکہ یہ معزز مجلس کا لباس نہیں۔ اسی طرح ہاف بازو شرٹ اور پینٹ پہن کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے چونکہ یہ بھی زیب وزینت کے خلاف ہے۔ کسی بھی معزز مجلس میں ہاف بازو شرٹ پہن کر جانے کو آدمی پسند نہیں کرتا۔ بہر حال ضابطہ یہی ہے کہ ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنی چاہیے جو معزز مجلس کا لباس ہو۔ اس لباس میں نماز کی فرضیت کی ادائیگی بھی ہوگی اور واجب الاعادہ بھی نہیں ہوگی۔

خلاصۂ بحث

اس مقالے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا لدھیانوی نے اپنی تفسیر میں معاشرتی مسائل کا حل نہایت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے حتی الامکان کوئی بھی معاشرتی مسئلہ ذکر کیا ہے، تو اس کے حل میں قرآنی آیت اور حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے اور پھر مسائل کو جزئیات کی شکل میں بیان کیا ہے۔ حدیث مبارکہ کا متن ذکر کرنے کی بجائے صرف مفہوم پر اکتفا کیا ہے۔ تحریر بالکل سادہ اور زبان عام فہم استعمال کی ہے۔ بہت سارے ایسے معاشرتی مسائل کا حل پیش کیا ہے کہ جن ذکر دوسری تفاسیر میں نہیں ہے، ان مسائل میں سے ایک مسئلہ کفار کے ساتھ دوستی کا بھی ہے، کفار کے ساتھ مدارات اور مواسات تو جائز ہیں مگر موالات اور مداہنت جائز نہیں۔ دور حاضر کا ایک اور مسئلہ بیان کیا کہ نکاح کرنا افضل ہے یا نہیں؟ شریعت محمدیہ ﷺ میں نکاح کرنا افضل ہے، بلکہ بعض حالات میں واجب اور بعض حالات میں سنت ہے۔ آج چونکہ مسلمان دنیا کے ہر کونے میں موجود ہیں اور بعض اوقات کفار کی مجلس میں بھی بیٹھنا پڑتا ہے، تو اس کا حکم یہ ہے جب تک اس مجلس میں دین اسلام کا استہزا نہ کیا جائے بیٹھنا جائز ہے، جب اس مجلس میں دین برحق کی توہین شروع ہو جائے تو پھر بیٹھنا جائز نہیں، منصوبہ بندی بھی دور حاضر کا ایک اہم معاشرتی مسئلہ ہے جو قومی اور ملکی سطح پر رائج ہے۔ دراصل منصوبہ بندی قتل اولاد کی ایک منظّم اور اجتماعی اور قومی شکل ہے، حالانکہ رزق کی ذمہ داری اللہ نے خود اٹھائی ہے اس لیے وسائل کو بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ آبادی کو کم کرنے کی۔ دور جدید کا ایک اہم معاشرتی مسئلہ کہ لباس میں کون سا طرز اختیار کیا جائے جبکہ آج کل لباس کی مختلف شکلیں رائج ہیں تو لباس ایسا ہونا چاہیے جس میں جسم کے اعضا کی ساخت نظر نہ آئے، اور اتنا باریک بھی نہ ہو کہ جسم کی جھلک نظر آئے۔

---

[19] لدھیانوی، تبیان الفرقان،4: 101-102۔